پسند کی شادی کی شرعی حیثیت اور سماجی واخلاقی فوائد: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Sharia Status of Love Marriage and Its Social and Moral Benefits: An Analytical Study

Aqsa Sehrish
MPhil Scholar, Islamic Studies,
Khwaja Fareed University of Engineering & Information Technology,
Rahim Yar Khan
Email: yashfazainab509@gmail.com
Dr Mazhar Hussain Bhadroo
Lecturer (Islamic Studies), IHA, KFUEIT, RYK
Email: mazharhussainbhadroo@gmail.com
Dr Muhammad Shahid Habib
Assistant Professor (Islamic Studies), IHA, KFUEIT, RYK
Email: shahid.habib@kfueit.edu.pk

Abstract
Marriage is a sacred and essential institution in human life that fulfills emotional, social and natural needs. In the modern era, love marriage has become a widely discussed phenomenon. From an Islamic (Shar'i) perspective, marriage is based on mutual consent, affection and compatibility between partners. The Qur'an and Hadith clearly reject forced marriage and grant both men and women the right to choose their spouses, while also emphasizing the value of parental guidance. Although jurists differ regarding the role of a guardian (wali) there is general agreement that valid marriage depends on mutual consent and understanding. Socially and ethically, love marriage can promote trust, emotional harmony, and marital stability. It strengthens understanding, respect, and responsibility between spouses, contributing to a peaceful family life. However it is important that such marriages remain within the boundaries of Islamic principles and family values to ensure a balance between personal choice and social order.
Keywords: Love Marriage, Islamic Law, Consent in Marriage, Social Harmony, Marital Stability, Benefits of Love Marriage

نکاح انسانی زندگی کا ایک فطری، خوبصورت اور بابرکت بندھن ہے جو فرد کی جذباتی تسکین کے ساتھ ساتھ ایک متوازن معاشرے کی بنیاد بھی رکھتا ہے۔ موجودہ دور میں پسند کی شادی ایک اہم موضوع بن چکی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نکاح میں فریقین کی رضامندی، پسند اور باہمی ہم آہنگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ زبردستی نکاح کی کوئی گنجائش نہیں اور مرد و عورت دونوں کو شریکِ حیات کے انتخاب کا حق ہے جبکہ والدین کی مشاورت کو بہتر سمجھا گیا ہے۔ اگرچہ ولی کی حیثیت پر فقہاء میں کچھ اختلاف ہے لیکن مجموعی طور پر رضامندی کو نکاح کی اساس مانا گیا ہے۔ سماجی و اخلاقی طور پر پسند کی شادی محبت، اعتماد اور ذہنی ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہے جس سے ازدواجی زندگی زیادہ خوشگوار اور مستحکم بنتی ہے۔ یہ میاں بیوی کے درمیان احترام، ذمہ داری اور باہمی سمجھ بوجھ کو مضبوط کرتی ہے جو کامیاب خاندانی نظام کی بنیاد ہے۔ تاہم ضروری ہے کہ اسے شریعت اور خاندانی اقدار کے دائرے میں رکھا جائے تاکہ فرد کی آزادی اور معاشرتی توازن برقرار رہے۔

پسند کا لغوی مفہوم

لفظ "پسند" اردو زبان میں ایک جامع اور ہمہ گیر مفہوم رکھتا ہے جو انسان کی داخلی رغبت، میلان اور انتخابی عمل کی نمائندگی کرتا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معانی میں مقبول ہونا، دل کو بھانا اور کسی چیز یا شخصیت کو اپنی خواہش کے مطابق اختیار کرنا شامل ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پسند کا تعلق محض ظاہری انتخاب سے نہیں بلکہ باطنی رضامندی اور ذہنی ہم آہنگی سے بھی ہے۔

فیروز اللغات میں لفظ پسند کا مفہوم ہے مقبول، مرغوب، حسب خواہش۔ اسی طرح پسند آنا سے مراد ہے اچھا لگنا، بھانا اور پسند کرنا کے معنی ہیں انتخاب کرنا اور چننا۔[1]

فرہنگ آصفیہ میں لفظ پسند کا مفہوم ہے منظورِ نظر، من بھاتا، مرغوب خاطر اور پسند کرنا فعل متعدی ہے جس کے معنی ہیں اپنی رغبت کے مطابق، خوشی سے منظور کرنا، اختیار کرنا اور چھانٹنا۔[2]

سٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری کے مطابق پسند کرنا، پسند آنا یا پسند ہونا کا مفہوم انگلش میں like اور اردو میں اس سے مراد ہے۔ محبت، عشق، چاہت، الفت، پریم، عشقیت، پیار، حب، رغبت شوق، چاہ، چاؤ، پدرانہ الفت، محبت مادری، دوستانہ خلوص، محبت کا دیوتا، پیارا، دلدار، پیاری، جاناں اور معشوقہ۔[3]

مختصر اردو لغت کے مطابق لفظ پسند مؤنث ہے اور اس سے مراد ہے چہیتا، مرغوب، مقبول، انتخاب، پسندیدہ، پسند کیا ہوا اور مرغوب.[4]

علمی اردو لغت کے مطابق پسند کا مفہوم مرغوب اور مقبول پر پورا اترتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے مراد چنا، مرضی، ترجیح، منظوری، قبولیت، پسند کرنا، دل کو مرغوب اور مرضی کے مطابق بھی ہیں۔[5]

عربی لغت میں پسندیدگی کے معنی میں استعمال ہوتا۔

انت بالخیار لفظ الخیار کا معنی ہے: تم جو چاہو پسند کرو۔[6]

لفظ محبت کو مختصر اردو لغت میں:

الفت، پیار، دوستی، عشق، لگن اور لو کے معنی میں بیان کیا گیا ہے۔[7]

اسی طرح علمی اردو لغت میں محبت سے مراد ہے:

پیار، الفت اور چاہ اور اس سے مختلف الفاظ جیسے محبت بڑھانا سے مراد ہے پیار و محبت زیادہ کرنا، محبت قلبی، محبت دلی، بے حد محبت اور سچا عشق بھی مراد لیا گیا ہے۔[8]

اس کے علاوہ فرہنگ آصفیہ کے مطابق لفظ محبت اسم مؤنث ہے جس کا مفہوم ہے:

پریت، پریم، الفت، چاہ، موہ، پیار، لاؤ، دوستی، اخلاص، یارانہ، آشنائی، ملاپ، عشق، لگن، لو جبکہ محبت کرنا سے مراد ہے پیار کرنا، الفت رکھنا اور چاہتا ہے۔[9]

فیروز اللغات میں محبت سے مراد ہے:

الفت، پیار، چاہ، دوستی، یارانہ، عشق، لگن اور محبت کرنا کے معنی ہونگے چاہنا اور پیار کرنا۔[10]

المنجد ڈکشنری میں حبہ حبا و حبا سے مراد ہے محبت کرنا، رغبت کرنا اور حب و حبّ کا مفہوم ہے۔ محبوب ہوتا، پیارا ہوتا اور حبہ التي پیار اپنانا اور محبوب بنا کے معنوں میں لیا جاتا ہے کہتے ہیں حبنی آیاہ۔ اس نے مجھ کو اس کا محبوب بنایا۔[11]

پسند کی شادی کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاحی اعتبار سے پسند کی شادی اس نکاح کو کہا جاتا ہے جس میں فریقین، یعنی لڑکا اور لڑکی، اپنی آزادانہ مرضی اور باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کو شریکِ حیات کے طور پر منتخب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خورشید احمد لکھتے ہیں:

"پسند کی شادی وہ نکاح ہے جس میں لڑکا اور لڑکی اپنی آزادانہ مرضی سے ایک دوسرے کا انتخاب کریں"[12]

ایک انتھونی گڈنز نامی ماہر علوم سماجیات لکھتے ہیں:

"پسند کی شادی خاندان کے طے کردہ انتظام کے بجائے باہمی کشش اور ذاتی انتخاب پر مبنی ایک بندھن ہے۔"[13]

ان تمام لغوی اور اصطلاحی تشریحات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پسند اور محبت باہم مربوط تصورات ہیں۔ محبت (Love) ایک فطری جذبہ ہے جو انسان کی سرشت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ یہ نہ صرف انسانی معاشرت کا بنیادی عنصر ہے بلکہ دیگر جانداروں میں بھی مختلف صورتوں میں موجود ہوتا ہے۔ یہی جذبہ انسان کو تعلق قائم کرنے، رشتے نبھانے اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستگی پیدا کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور اسی کے نتیجے میں پسند کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلقات، خصوصاً پسند کی شادی، وجود میں آتے ہیں۔

پسند کی شادی کی شرعی حیثیت

قرآن کریم اور پسند کی شادی

قرآنِ کریم نکاح کے معاملے میں فریقین کی باہمی رضامندی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ کسی بھی قسم کی زبردستی یا دباؤ کے ذریعے شادی کو مسلط کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اگرچہ والدین کی رہنمائی اور مشاورت ایک اہم عنصر ہے لیکن حتمی فیصلہ لڑکا اور لڑکی دونوں کی رضا سے ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے پسند کی شادی جائز ہے بشرطیکہ اس میں دینی اور اخلاقی تقاضوں کی مکمل پاسداری کی جائے۔

پسند کی شادی قرآن اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسی وقت درست قرار پاتی ہے جب اس کے تمام شرعی حدود و قیود کو ملحوظ رکھا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔[14]

"تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو۔"

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے انتخاب میں پسند اور رغبت کو اہمیت دی گئی ہے، اور یہ حق بنیادی طور پر مرد و عورت دونوں کو حاصل ہے نہ کہ صرف والدین یا دیگر رشتہ داروں کو۔ اسی طرح اگر کسی لڑکے یا لڑکی کی مرضی کے خلاف نکاح کر دیا جائے تو شریعت نے ایسے نکاح کو ختم کرنے (فسخ کرنے) کا حق بھی فراہم کیا ہے۔

اسلام میں پسند کی شادی (love marriage) اس لیے جائز ہے کہ شریعت نے رشتہ قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار دونوں فریقین کو دیا ہے۔ نکاح کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔[15]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔"

میاں بیوی کے درمیان حقیقی سکون، محبت اور رحمت اسی وقت پروان چڑھتی ہے جب دونوں ایک دوسرے کو دل سے قبول کریں اور باہمی پسندیدگی موجود ہو۔

شریعتِ اسلامیہ نے جس طرح مرد کو نکاح کے انتخاب کا حق دیا ہے اسی طرح ایک عاقلہ و بالغہ عورت کو بھی یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو منتخب کرے جس سے نکاح شرعاً جائز ہو۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جو اس کے اختیار کو ظاہر کرتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ۔[16]

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدّت پوری کر لیں تو انہیں اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے (سابقہ) شوہروں سے نکاح کر لیں، جب وہ آپس میں معروف طریقے سے راضی ہو جائیں۔"

حَتّٰى تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔[17]

"جب تک کہ وہ اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔"

مندرجہ بالا آیات اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ نکاح میں رضامندی، آزادیِ انتخاب اور باہمی اتفاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

پسند کی شادی اور احادیثِ مبارکہ

احادیثِ مبارکہ میں نکاح کے متعلق جامع رہنمائی فراہم کی گئی ہے جن میں خاص طور پر فریقین کی رضامندی، باہمی پسند اور خوشی کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ متعدد احادیث اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ نکاح کا رشتہ زبردستی کے بجائے رضا اور رغبت پر قائم ہونا چاہیے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَمْ نَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ۔[18]

"ہم نے دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔"

یہ حدیث اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ اگر دو افراد کے درمیان باہمی محبت موجود ہو تو اس تعلق کو نکاح کے ذریعے جائز اور پاکیزہ شکل دینا ہی بہتر راستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پسند اور محبت کی بنیاد پر نکاح کرنا شریعت میں قابلِ قبول ہے بشرطیکہ دیگر شرعی تقاضے پورے کیے جائیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ۔[19]

"شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ کنواری کا (نکاح) اس کی اجازت کے بغیر کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کنواری کی اجازت کیسے معلوم ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ نکاح کے لیے عورت کی اجازت ناگزیر ہے، اور اس کی رضا کے بغیر نکاح درست نہیں۔

مزید برآں عہدِ نبوی ﷺ میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا جس میں ایک عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کیا گیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس نکاح کو برقرار نہیں رکھا بلکہ فسخ فرما دیا:

عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا۔[20]

"حضرت خنساء بنت خِذام انصاریہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جبکہ وہ شوہر دیدہ تھیں اور انہیں یہ نکاح ناپسند تھا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کا نکاح فسخ کر دیا۔"

یہ روایت اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ اسلام میں عورت کی رضامندی کے بغیر نکاح کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور اسے ناپسندیدہ رشتے سے نکلنے کا حق حاصل ہے۔

اسی مفہوم کو ایک اور حدیث میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ جَارِيَةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا أَرَدْتُ أَنْ أَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنَّ لِلْآبَاءِ لَيْسَ لَهُمْ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ۔[21]

"ایک لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (کہ چاہے نکاح برقرار رکھے یا ختم کر دے)۔ اس نے عرض کیا: میں اپنے والد کے کیے ہوئے نکاح کو برقرار رکھتی ہوں لیکن میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے معاملے میں (زبردستی کی صورت میں) باپ کو (اولاد پر) کوئی لازمی اختیار نہیں۔"

یہ حدیث اس اصول کو اجاگر کرتی ہے کہ نکاح میں عورت کی رضا بنیادی شرط ہے اور اسے اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے نکاح کے بارے میں فیصلہ کرے۔

امام دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے:

إنَّ رسولَ الله ﷺ ردَّ نكاحَ بكرٍ وثيّبٍ أنكحهما أبوهما وهما كارهتان، فردّ النبي ﷺ نكاحهما۔[22]

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک کنواری اور ایک بیوہ (یا طلاق یافتہ) عورت کے نکاح کو رد فرمادیا جن کا نکاح ان کے والد نے ان کی مرضی کے خلاف (زبردستی) کر دیا تھا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے نکاح کو منسوخ قرار دے دیا۔"

اسی طرح حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی سے مرسلاً روایت ہے:

فرّق بين امرأة وزوجها وهي بكر زوّجها أبوها وهي كارهة۔[23]

"بے شک نبی کریم ﷺ نے ایک عورت اور اس کے شوہر کے درمیان علیحدگی کرا دی (نکاح ختم کر دیا) اس حال میں کہ وہ کنواری تھی اور اس کے والد نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دیا تھا اور وہ شوہر سے نفرت کرتی تھی۔"

ان تمام احادیث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام نے نکاح کے معاملے میں مرد و عورت دونوں کی رضامندی کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ زبردستی نکاح نہ صرف ناپسندیدہ ہے بلکہ بعض صورتوں میں اسے کالعدم بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح احادیثِ مبارکہ پسند کی شادی کے جواز اور اہمیت کو واضح انداز میں ثابت کرتی ہیں بشرطیکہ یہ نکاح شریعت کے اصولوں کے مطابق ہو۔

پسند کی شادی اور فقہاء کرام

فقہائے کرام نے نکاح کے باب میں عورت کی رضامندی، اس کے اختیار اور ولی کے کردار کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف ائمہ کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نکاح میں پسند اور رضا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اگرچہ بعض جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي، بكرا كانت أم ثيبا، عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله في ظاهر الرواية، والولاية مندوبة مستحبة فقط.وعند محمد: ينعقد موقوفا۔[24]

"آزاد، عاقل اور بالغ عورت کا نکاح اس کی اپنی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اس پر ولی (سرپرست) نکاح نہ کرے خواہ وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کے نزدیک ظاہر الروایہ کے مطابق حکم ہے اور ولایت (ولی کا ہونا) صرف مستحب اور پسندیدہ ہے۔ جبکہ امام محمد کے نزدیک یہ نکاح موقوف (یعنی ولی کی اجازت پر موقوف) ہوتا ہے۔"

قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جس سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ عورت کو اپنے نکاح کے معاملے میں اختیار حاصل ہے۔ اسی ضمن میں سورۃ البقرۃ آیت 230 کے تحت امام کاسانیؒ (م۔587ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ أُضِيفَ النِّكَاحُ إِلَيْهَا فَيَقْتَضِي تَصَوُّرَ النِّكَاحِ مِنْهَا۔[25]

"نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نکاح اس کی جانب سے بھی واقع ہو سکتا ہے۔"

اسی طرح سورۃ البقرۃ آیت 232 سے استدلال کرتے ہوئے امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:

إِنَّهُ أُضِيفَ النِّكَاحُ إِلَيْهِنَّ فَيَدُلُّ عَلَى جَوَازِ النِّكَاحِ بِعِبَارَتِهِنَّ مِنْ غَيْرِ شَرْطِ الْوَلِيِّ۔[26]

"نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے الفاظ (ایجاب و قبول) کے ذریعے ولی کی شرط کے بغیر بھی نکاح کر سکتی ہیں۔"

امام کاسانیؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ، وَهَذَا قَطْعُ وِلَايَةِ الْوَلِيِّ عَنْهَا۔[27]

"شوہر دیدہ عورت کے معاملے میں ولی کو کوئی اختیار حاصل نہیں اور یہ اس پر ولایت کے خاتمے کی دلیل ہے۔"

شمس الائمہ سرخسیؒ (م۔ 483ھ) نے حضرت علیؓ کے ایک فیصلے کو نقل کیا ہے جو احناف کے موقف کی مضبوط تائید کرتا ہے:

أَنَّ امْرَأَةً زَوَّجَتْ ابْنَتَهَا بِرِضَاهَا، فَخَاصَمَ أَوْلِيَاؤُهَا إِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَأَجَازَ النِّكَاحَ، وَقَالَ: هَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ إِذَا زَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا، أَوْ أَذِنَتْ لِغَيْرِ وَلِيِّهَا فَزَوَّجَهَا، جَازَ النِّكَاحُ، وَبِهِ أَخَذَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، سَوَاءٌ كَانَتْ بِكْرًا أَوْ ثَيِّبًا، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ۔[28]

"ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی رضامندی سے کیا پھر اس کے اولیاء نے حضرت علیؓ کے پاس مقدمہ پیش کیا تو آپؓ نے نکاح کو جائز قرار دیا اور فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت خود اپنا نکاح کرے یا کسی غیر ولی کو اس کا اختیار دے تو نکاح جائز ہوگا اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا موقف ہے خواہ وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔"

فقہِ حنفی کے مطابق اگر کوئی عاقلہ اور بالغہ عورت اپنی مرضی سے خود اپنا نکاح کر لے خواہ اس میں ولی کی اجازت شامل نہ ہو تو ایسا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ تاہم اس طرزِ عمل کو بہتر اور مستحسن نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے خلافِ مستحب قرار دیا گیا ہے:

عن أبي حنيفة: تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقد نكاحها ونكاح غيرها مطلقاً، إلا أنه خلاف المستحب، وهو ظاهر المذهب۔[29]

"امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ بالغہ عاقلہ عورت کے لیے اپنے نکاح کا عقد خود کرنا اور دوسروں کا نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے البتہ یہ مستحب کے خلاف ہے اور یہی ظاہر المذہب ہے۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں عورت گناہگار نہیں ہوگی لیکن بہتر یہی ہے کہ نکاح ولی کی شمولیت کے ساتھ انجام پائے۔

مزید یہ کہ نکاح میں اپنی پسند کو اختیار کرنا دراصل ایک ایسا حق ہے جو شریعت نے براہِ راست متعلقہ افراد کو عطا کیا ہے۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

وَوَجْهُ الْجَوَازِ أَنَّهَا تَصَرَّفَتْ فِي خَالِصِ حَقِّهَا، وَهِيَ مِنْ أَهْلِهِ لِكَوْنِهَا عَاقِلَةً مُمَيِّزَةً؛ وَلِهَذَا كَانَ لَهَا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ، وَلَهَا اخْتِيَارُ الْأَزْوَاجِ.[30]

"جواز کی بنیاد یہ ہے کہ عورت اپنے خالص حق میں تصرف کر رہی ہے اور وہ اس کی اہل بھی ہے کیونکہ وہ عاقل اور سمجھ دار ہے اسی لیے اسے اپنے مال میں تصرف کا اختیار حاصل ہے اور شوہر کے انتخاب کا حق بھی دیا گیا ہے۔ البتہ ولی کے ذریعے نکاح کروانے کی ترغیب اس لیے دی جاتی ہے تاکہ اسے بے باکی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ پھر ظاہر الروایہ کے مطابق کفو اور غیر کفو میں کوئی فرق نہیں لیکن غیر کفو کی صورت میں ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز نہیں کیونکہ بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں جو عدالت تک نہیں پہنچتے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ امام محمدؒ نے اس مسئلے میں انہی کے قول کی طرف رجوع کیا۔"

اسی تناظر میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایک اہم اصولی بات بیان کرتے ہیں:

أَقُولُ: لَا يَجُوزُ أَيْضًا أَنْ يُحَكَّمَ الْأَوْلِيَاءُ فَقَطْ؛ لِأَنَّهُمْ لَا يَعْرِفُونَ مَا تَعْرِفُهُ الْمَرْأَةُ مِنْ نَفْسِهَا، وَلِأَنَّ حَرَّ الْعَقْدِ وَقَرَّهُ رَاجِعَانِ إِلَيْهَا۔[31]

"میں کہتا ہوں کہ صرف اولیاء کو مکمل اختیار دینا بھی درست نہیں کیونکہ وہ اس حقیقت کو نہیں جانتے جو عورت اپنی ذات کے بارے میں بہتر جانتی ہے اور نکاح کے نتائج (نفع و نقصان) کا تعلق بھی اسی سے ہے۔"

فقہائے احناف کی طرح فقہ جعفریہ میں بھی عاقلہ و بالغہ عورت کو نکاح کے معاملے میں اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ یعنی وہ اپنی رضا سے نکاح کر سکتی ہے تاہم اگر یہ نکاح اولیاء کی رضامندی اور مشاورت کے ساتھ انجام پائے تو اسے زیادہ بہتر اور مناسب سمجھا جاتا ہے، تاکہ آئندہ کسی قسم کے اختلاف یا شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے الاستبصار میں مذکور ہے:

لا بأس بتزويج البكر إذا رضيت من غير اذن أبويها.[32]

"اگر کنواری لڑکی راضی ہو تو اس کا نکاح اس کے ماں باپ کی اجازت کے بغیر بھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

اس کے برعکس شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکاح میں ولی کی موجودگی بنیادی شرط ہے اور عاقلہ بالغہ عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ خود اپنا نکاح منعقد کرے۔ ان کے نزدیک نکاح کا صحیح ہونا ولی کی وساطت پر موقوف ہے اور بغیر ولی کے نکاح کو معتبر نہیں سمجھا جاتا۔[33]

ابن قدامہؒ نے جمہور فقہاء کے موقف کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

فَإِنَّ النِّكَاحَ لَا يَصِحُّ إِلَّا بِوَلِيٍّ، وَلَا تَمْلِكُ الْمَرْأَةُ تَزْوِيجَ نَفْسِهَا، وَلَا غَيْرِهَا، وَلَا تَوْكِيلَ غَيْرِ وَلِيِّهَا فِي تَزْوِيجِهَا، فَإِنْ فَعَلَتْ لَمْ يَصِحَّ النِّكَاحُ۔[34]

"نکاح ولی کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، اور عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنا نکاح خود کرے یا کسی اور کا نکاح کرے اور نہ ہی وہ اپنے نکاح کے لیے کسی غیر ولی کو وکیل بنا سکتی ہے اگر وہ ایسا کرے تو نکاح درست نہیں ہو گا۔"

پسند کی شادی کے سماجی واخلاقی فوائد

عصرِ حاضر میں پسند کی شادی (Love Marriage) کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ بدلتے ہوئے سماجی ڈھانچے، تعلیمی شعور اور فردی آزادی کے تصورات نے نوجوان نسل کو اس طرف مائل کیا ہے کہ وہ اپنے شریکِ حیات کے انتخاب میں خود کردار ادا کریں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نکاح میں مرد و عورت کی رضامندی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اس لیے پسند کی شادی بذاتِ خود شریعت کے منافی نہیں بلکہ ایک جائز حق ہے بشرطیکہ اسے اسلامی حدود و آداب کے اندر انجام دیا جائے۔

تاہم یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ بعض اوقات یہ رجحان غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کر لیتا ہے جہاں اولیاء کو اعتماد میں لیے بغیر فیصلے کیے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں خاندانی تنازعات، معاشرتی بدامنی اور بعض افسوسناک واقعات (جیسے غیرت کے نام پر قتل) جنم لیتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پسند کی شادی کو ایک متوازن، باوقار اور شرعی اصولوں کے مطابق اختیار کیا جائے۔ ذیل میں پسند کی شادی کے چند سماجی و اخلاقی فوائد مذکور ہیں:

باہمی رضا اور مضبوط ازدواجی تعلق

پسند کی شادی کا سب سے نمایاں فائدہ یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کو سمجھ کر اور باہمی رضا سے رشتہ قائم کرتے ہیں۔ اس سے ان کے درمیان محبت، اعتماد اور ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے جو ایک کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔ جب میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج، عادات اور ترجیحات سے پہلے ہی کسی حد تک واقف ہوں تو بعد از نکاح اختلافات کم اور ہم آہنگی زیادہ ہوتی ہے۔

اگر پسند کی شادی میں اولیاء کو اعتماد میں لیا جائے تو یہ نکاح کو مزید مضبوط اور بابرکت بناتا ہے اور خاندانی نظام میں استحکام پیدا کرتا ہے۔ اس حوالے سے محمد شفیعؒ (مفتی شفیعؒ) فرماتے ہیں:

"اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلا واسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے اس میں دین و دنیا کے بہت سے مصالح و فوائد ہیں۔"[35]

اخلاقی تحفظ اور معاشرتی وقار

پسند کی شادی اگر شریعت کے دائرے میں رہ کر کی جائے تو یہ نوجوانوں کو غیر شرعی تعلقات سے بچاتی ہے۔ نکاح کے ذریعے جذبات کا جائز اور پاکیزہ اظہار ممکن ہوتا ہے جو اسلامی معاشرے کے اخلاقی نظام کو مضبوط کرتا ہے۔ اس طرح نہ صرف فرد بلکہ پورا معاشرہ اخلاقی انحطاط سے محفوظ رہتا ہے۔ حدیث میں ہے:

يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج۔[36]

یہ حدیث نکاح کے اخلاقی فوائد کو واضح کرتی ہے جو پسند کی شادی کے ذریعے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔

خاندانی ہم آہنگی اور تنازعات میں کمی

اولیاء کی رضامندی سے ہونے والی پسند کی شادی خاندانوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بناتی ہے۔ اس کے برعکس اگر نکاح خفیہ یا بغاوت کے انداز میں کیا جائے تو اکثر یہ دیرپا تنازعات کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ نوجوان اپنی پسند کے ساتھ ساتھ خاندان کے تجربے اور مشورے کو بھی اہمیت دیں تاکہ ایک متوازن اور پائیدار رشتہ قائم ہو سکے۔ چنانچہ بیان ہوا ہے کہ:

رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ."[37]

"اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے۔"

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ النِّكَاحُ بِإِذْنِ الْوَالِدَيْنِ لِمَا فِي ذَلِكَ مِنَ الْبَرَكَةِ وَجَمْعِ الْقُلُوبِ۔[38]

"مستحب ہے کہ نکاح والدین کی اجازت سے ہو کیونکہ اس میں برکت اور دلوں کے جمع ہونے (اتحاد) کا سبب ہے۔"

ذہنی قربت اور جذباتی مطابقت

ازدواجی زندگی کا اصل حسن صرف نکاح کے قانونی بندھن میں بندھنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس رشتے کی پائیداری اور خوشگواری کا دارومدار فریقین کے درمیان فطری ہم آہنگی، ذہنی قربت اور جذباتی مطابقت پر ہوتا ہے۔ یہی اوصاف میاں بیوی کو محض ایک معاہداتی تعلق سے نکال کر ایک دوسرے کا حقیقی رفیق، معاون اور

رازدار بنا دیتے ہیں۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے نکاح کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس کی بھرپور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلام نے نکاح سے پہلے فریقین کے درمیان ایک حد تک واقفیت اور مشاہدہ کی اجازت دی تاکہ تعلق کی بنیاد محض رسم یا جبر پر نہیں بلکہ محبت اور موافقت پر قائم ہو۔ حدیث میں ہے:

أُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔[39]

"اس (لڑکی) کو دیکھ لو اس سے زیادہ امید ہے کہ تم دونوں کے درمیان محبت اور موافقت پیدا ہو جائے گی۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اسلام نکاح کو ایک نفسیاتی و جذباتی ہم آہنگی پر مبنی رشتہ بنانا چاہتا ہے نہ کہ محض رسمی بندھن۔

پسند کی شادی اور ذہنی ہم آہنگی

پسند کی شادی میں چونکہ انتخاب خود فریقین کا ہوتا ہے اس لیے ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی پہلے سے کسی حد تک موجود ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے مزاج، سوچ، اہداف اور جذبات سے واقف ہوتے ہیں جس کے باعث نکاح کے بعد اختلافات کی شدت کم ہو جاتی ہے۔

الأرواح جنود مجندة، فما تعارف منها ائتلف، وما تناكر منها اختلف۔[40]

"روحیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی لشکر ہیں جو ایک دوسرے سے مانوس ہوتی ہیں وہ باہم جڑ جاتی ہیں اور جو اجنبی ہوتی ہیں وہ مختلف ہو جاتی ہیں۔"

یہ حدیث اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ فطری ہم آہنگی ازدواجی تعلق کی کامیابی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

روحانی سکون اور قلبی اطمینان

اسلامی تعلیمات میں نکاح کا مقصد صرف جسمانی یا سماجی ضرورت نہیں بلکہ روحانی سکون اور قلبی اطمینان بھی ہے جسے قرآن نے نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔[41]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔"

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کا اصل مقصد سکون (اطمینان)، مودت (محبت) اور رحمت (شفقت) کا حصول ہے اور یہ صفات اسی وقت مکمل طور پر ظاہر ہوتی ہیں جب رشتہ فطری ہم آہنگی پر قائم ہو۔

معاشرتی و نفسیاتی استحکام

جدید معاشرتی اور نفسیاتی مطالعات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ وہ ازدواجی رشتے زیادہ کامیاب اور پائیدار ہوتے ہیں جن کی بنیاد باہمی پسند، ذہنی قربت اور جذباتی ہم آہنگی پر ہو۔ ایسے رشتوں میں غلط فہمیاں کم پیدا ہوتی ہیں، اختلافات کو بہتر انداز میں حل کیا جاتا ہے اور جذباتی وابستگی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:

خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي۔[42]

"تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی) کے لیے بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہوں۔"

یہ حدیث ازدواجی حسنِ سلوک اور جذباتی توازن کو کامیاب رشتے کی بنیاد قرار دیتی ہے۔

نتائج بحث

- اسلام میں نکاح کے لیے باہمی رضامندی بنیادی شرط ہے اور زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں۔
- فقہاء کے اختلاف کے باوجود مرد و عورت دونوں کو شریکِ حیات کے انتخاب کا حق حاصل ہے۔
- پسند کی شادی اگر شریعت کے دائرے میں ہو تو محبت، اعتماد اور ازدواجی استحکام کا سبب بنتی ہے۔
- فرد کی پسند کے ساتھ والدین کی مشاورت کو بھی شامل رکھا جائے تو بہت فوائد ہوتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز

- نکاح کے معاملے میں لڑکا اور لڑکی دونوں کی رضامندی کو بنیادی شرط بنایا جائے اور زبردستی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔
- والدین اور سرپرست اولاد کی پسند کا احترام کریں اور رہنمائی و مشاورت کے ذریعے مثبت کردار ادا کریں۔
- نوجوان اپنی پسند کو شریعت کے دائرے میں رکھتے ہوئے خاندانی اقدار اور سماجی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھیں۔
- نکاح سے پہلے دینی، اخلاقی اور مزاجی ہم آہنگی کو اچھی طرح پرکھا جائے۔
- پسند کی شادی اور خاندانی مشاورت کے درمیان توازن قائم کیا جائے تاکہ دونوں پہلو ساتھ چل سکیں۔
- تعلیمی اور دینی ادارے نکاح کے صحیح اسلامی اصولوں کے بارے میں آگاہی فراہم کریں۔
- معاشرے میں زبردستی شادیوں کے خلاف شعور پیدا کیا جائے اور باہمی رضامندی پر مبنی نکاح کو فروغ دیا جائے۔
- ایسا سماجی اور قانونی ماحول تشکیل دیا جائے جو جائز اور شرعی نکاح کو آسان اور مستحکم بنائے۔

حواشی

[1] فیروز الدین، الحاج، مولوی، فیروز اللغات اردو (جامع)، ص296، فیروز سنز لاہور، راولپنڈی، کراچی، س ن

[2] احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ، ص524، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ اردو بازار، لاہور، 1907

[3]Abdul Haq, The Standard English Urdu Disctionary, , P: 657, Sang-e-Meel Publication Chauk Urdu Bazar, Lahore., 1937.

[4] مختصر اردو لغت، ص196، ترقی اردو بیور، ونئی دہلی، 1987

[5] وارث سرہندی، علمی اردو لغت، ص363، علمی کتب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، 2008

[6] المنجد، عربی اردو ڈکشنری، ص204، دارالاشاعت، کراچی، 1975

[7] مختصر اردو لغت، ص201

[8] وارث سرہندی، علمی اردو لغت، ص1352

[9] احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج1، ص304

[10] فیروز الدین، فیروز اللغات اردو (جامع)، ص1210

[11] المنجد، ص181

[12] ڈاکٹر خورشید احمد، اسلامی معاشرت، ص215، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 2005ء

[13] انتھونی گڈنزا، ترجمہ: عمرانیات، صفحہ 387، پولیٹی پریس، 2013ء

[14] النساء:3

[15] الروم، 21

[16] البقرہ، 232

[17] البقرہ:230

[18] ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 415–416، حدیث نمبر: 1847، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 2007ء

[19] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ج6، ص2556، بیروت، دار ابن کثیر، 1407ھ

[20] بخاری، ج5، ص1974

[21] ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 602، رقم:1874

[22] دار قطنی، امام علی بن عمر الدار قطنی، سنن الدار قطنی، کتاب النکاح، جلد 3، صفحہ 233، حدیث نمبر: 53،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت،2004ء

[23] دار قطنی، السنن، کتاب النکاح، جلد 3، صفحہ 234، رقم:52

[24] المرغینانی، علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، ابوالحسن، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، ج1 ،ص191 ،بیروت، داراحیاء التراث العربی، س ن

[25] الکاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص248، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ

[26] الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص248

[27] الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص248

[28] السرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ، المبسوط، ج5، ص10، بیروت، دار المعرفت، 1414ھ

[29] ابن ہمام، کمال الدین" محمد بن عبدالواحد السیواسی، فتح القدیر شرح الہدایہ، جلد3، صفحہ 255، بیروت، لبنان، دار الفکر س ن

[30] مرغینانی، برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی، البدایۃ فی شرح الہدایۃ، جلد2، صفحہ 282، دار الکتب العلمیہ، بیروت،2000ء

[31] شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، ج2، ص196، بیروت، دار الجیل،1426ھ

[32] طوسی، شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی، تہذیب الاحکام فی شرح المقنعۃ للشیخ المفید، جلد 3، صفحہ 236، دار التعارف للمطبوعات، بیروت، لبنان، 1992ء

[33] ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی، المغنی، جلد 7، صفحہ 5، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1997ء

[34] ابن قدامہ، المغنی، جلد 7، صفحہ 5

[35] عثمانی، محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، ج6، ص409، ادارۃ المعارف، کراچی س ن

[36] امام بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، جلد 7، صفحہ 3، حدیث 5066، مطبوعہ دار طوق النجاۃ، بیروت، 1422ھ

[37] سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء في رضا الوالدین، حدیث:1899، دار الغرب الإسلامي، بیروت، 1998ء

[38] ابن قدامہ المقدسی، المغنی، ج7، ص6

[39] محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، کتاب النکاح، ج2، ص277، حدیث:1087، دار الغرب الإسلامي، بیروت، 1998ء

[40] امام مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، جلد 4، صفحہ 2031، حدیث 2638، مطبوعہ دار إحیاء التراث العربي، بیروت، 1955ء

[41] سورۃ الروم:21

[42] امام ابنِ ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 636، حدیث 1977، مطبوعہ دار إحیاء الکتب العربیۃ، قاہرہ، 1952ء